تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

Intellectual Aspects of Iftikhar Bukhari's Poetry

افتخار بخاری کی شاعری کے فکری پہلو

[1]Yasir Naeem Baig*
PhD Scholar, Riphah International University, Faisalabad
[2]Abid Hussain
Lecturer, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad
*Correspondence: yasirnaeembeg385@gmail.com

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract

Iftikhar Bukhari has two poetry collections "Zameen Par Ek Din" and "Dard Kahan Jaate Hain Mai". "Zameen Par Ek Din" was published in 1994. This collection consists of ghazals and poems that contain the realities of life. It describes the situation of society, its emotions and feelings, and the suffering of humanity in a lucid way. His second collection of poems, "Dard Kahan Jaate Hain Mai" was published in January 2018. It includes only free-verse poetry. Although Iftikhar Bukhari is more of a poet than a ghazal, he has also written many ghazals, so let's first examine his ghazal singing on what topics he has expressed his art in his ghazal and what is the place of ghazal in Urdu poetry. Iftikhar Bukhari's ghazals, like ordinary ghazal poets, have a plethora of subjects of Hamdia and Naatia poetry, wasal and faraq, sorrow, jealousy, jealousy, anxiety, and eagerness. Iftikhar Bukhari has fulfilled the modern requirements of modern poetry along with traditions, in his ghazals, he is also seen talking to the beloved. In his ghazals, there is a kind of canvas of love. Regarding ghazal, some say that ghazal is the most popular and oldest genre of Urdu literature, in which the incident of heart is expressed

Keywords: Iftikhar Bukhari, Poetry, Urdu, Free-verse, Zameen Par Ek Din, Dard Kahan Jaate Hain Mai

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

افتخار بخاری کے دو شاعری مجموعے "زمین پر ایک دن" اور "درد کہاں جاتے ہیں مائے" ان کا پہلا شعری مجموعہ جو کہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کلام غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو اپنے اندر زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سچی باتوں کو سموئے ہوئے ہے۔ اس میں معاشرے کے حالات، اپنے جذبات و احساسات اور انسانیت کے دُکھ کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کا دوسرا شعری مجموعہ "درد کہاں جاتے ہیں مائے" جو کہ جنوری ۲۰۱۸ء کو شائع ہوا، اس میں انہوں نے صرف آزاد نظموں کو شامل کیا ہے۔ اگر چہ افتخار بخاری غزل کی بجائے زیادہ نظم گو شاعر ہے لیکن پھر بھی انہوں نے ایک بڑی تعداد میں غزلیں بھی کہی ہیں اس لیے پہلے ان کی غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غزل میں کن کن موضوعات پر اپنے فن کا اظہار کیا ہے اور یہ کہ اصناف ادب میں غزل کیا ہے اُردو شاعری میں غزل کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ مختلف ناقدین نے غزل کی مختلف تعریفیں اپنے اپنے انداز میں کی ہیں۔

عام غزل گو شعرا کی طرح افتخار بخاری کی غزلوں میں حمدیہ، نعتیہ اشعار کے علاوہ وصل و فراق، غم والم، رشک و حسد، اضطراب اور بے تابی کے مضامین کی کثرت ہے۔ افتخار بخاری نے روایات کے ساتھ ساتھ جدید شعری عصری تقاضوں کو بھی پورا کیا ہے اپنی غزلوں میں عشق و محبت کا درد یعنی محبوب سے گلہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں عشق کا طرح طرح سے کینوس بنتا نظر آتا ہے۔ غزل کے حوالے سے کچھ بات کرتے ہیں کہ غزل اُردو ادب کی مقبول ترین اور قدیم ترین صنف ہے جس میں واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے۔ غزل میں شاعر اپنے اندرونی و بیرونی خیالات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے اور اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت اور فکری و ذہنی اقدار کو بیان کرتا ہے۔

غزل کی روایات اور تاریخ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا درست ہو گا کہ غزل شاعری کی ایسی صنف ہے جس میں کسی بھی قسم کے مضمون کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ غزل کی ابتداء سے لے کر دورِ جدید تک اسی میں مختلف تجربات ہوتے آرہے ہیں اسی لیے غزل کے لیے کسی موضوع کی قید یا کوئی حد بندی متعین نہیں کی جاسکتی۔ غزل کے چند عناصر مطلع، مقطع قافیہ اور ردیف ہیں غزل کے حوالے سے توفیق سردار راجپوت لکھتے ہیں:

> "غزل اُردو شاعری کی نہ صرف مقبول ترین صنف ہے بلکہ کئی لحاظ سے اُردو شاعری کی بہترین صنف بھی ہے۔ غزل کو اُردو شاعری کی آبرو بھی کہا گیا ہے۔"(۱)

افتخار بخاری نے غزل کی بجائے نظم کہنا شروع کر دی، وہ پہلے بھی نظم کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ اگر ہم ان کا دوسری شعری مجموعہ "درد کہاں جاتے ہیں مائے" کو دیکھیں تو واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اب ان کی غزل میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ ان کی ساری کی

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

ساری توجہ نظم کی طرف ہی مرکوز ہے اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دوسرے شعری مجموعے میں ایک بھی غزل کو شامل نہیں کیا۔

افتخار بخاری نے ہی نہیں بلکہ ان سے بہت پہلے لوگوں نے نظم کہنا شروع کر دی تھی پہلے نظم پابند کہی جاتی تھی پھر لوگوں نے نظم جدید کی جانب رُخ کیا۔ اس میں پہلے نثری نظم تھی اس کے بعد آزاد نظم بھی کہی جانے لگی۔ افتخار بخاری نے بھی زیادہ تر نظمیں آزاد ہی لکھی ہیں۔ اصناف نظم میں اس نظم کو آزاد نظم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں قافیہ، ردیف اور بحر کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اگر شاعر کے ذہن میں کوئی شاندار خیال پیدا ہوتا ہے اس کو نظم میں بیان کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ قافیہ، ردیف اور بحر میں اسے بیان نہیں کر سکتا اس لیے اسے عمدہ مضمون چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے آزاد نظم معرض وجود میں آئی تا کہ اس میں قسم کی پابندی سے آزاد ہو اور وہ اپنے خیالات واحساسات اور جذبات کو دل کی گہرائیوں سے بیان کر سکے اور کوئی رکاوٹ نہ آئے۔ آزاد نظم جدید صنف شاعری ہے نظم مغربی شاعری کے زیر اثر اُردو ادب میں داخل ہوئی۔ اس میں کس ہم قافیہ اور ردیف کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اس لیے شعراء اس آزاد نظم میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ آزاد نظم کے بارے میں رفیع الدین ہاشمی اصنافِ ادب میں یوں لکھتے ہیں:

> "آزاد نظم کی بنیاد ایک ہی بحر پر ہوتی ہے، مگر بحر کے ارکان کی تقسیم شاعر کی صوابدید پر ہوتی ہے بعض اوقات ایک رکن دو مصرعوں میں منقسم ہو جاتا ہے کوئی مصرع چھوٹا اور کوئی بڑا آزاد نظم میں بھی ہیئت کے اعتبار سے مختلف تجربات کیے گئے ہیں بعض شعرا آہنگ اور صوتی تاثر کا خاص خیال رکھتے ہیں اور کبھی نظم میں قافیے بھی لاتے ہیں۔"(۲)

عصرِ حاضر میں بڑی خوبصورت آزاد نظمیں سپرد قلم کی جا رہی ہیں۔ نثری نظم کے مباحث پر طائرانہ جائزہ لیتے ہیں اس کائنات میں انسان کو ممتاز حاصل ہے کہ وہ حیوان ناطق ہے اپنے تخیل کو الفاظ کے ذریعے دوسرے تک ابلاغ کر سکتا ہے اب تک انسان نظم و نثر اور دیگر ذرائع کو وسیلہ بنا کر اپنی شخصیت کا اظہار کرتا آتا ہے۔ شاعری انسانی تخیل کا پُر جمال اور بلیغ اظہار ہے، شاعری میں نظم نے انسانی فکر اور ادراک کو مربوط اور پُر اعتماد انداز سے آگے بڑھایا ہے۔ آرائش خیال کے لیے کبھی پابند نظم اور کبھی نظم معرا کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی پھر آزاد نظم نے انسانی فکری جہتوں کو نسبتاً زیادہ بے باک انداز اور آزادی کے ساتھ پیش کیا۔ اُردو شاعری کے منظر نامے میں نظم کو شاعر ابلاغ کی سطح پر پیش رفت کرتے نظر آتے ہیں۔ وقت کے ساتھ نظم کی روایت نے تخلیق کار کو ایک نئے آہنگ سے متعارف کرایا۔

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

شاعر یا تخلیق کار اپنی تخلیق کی بنیاد جس چیز کو بناتا ہے اس کو احساس یا تخیل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابلاغ کے لیے علامت، استعارہ، مشاہدہ اور تجربہ تو ہوتا ہی ہے بلکہ الفاظ کے انتخاب کا کڑا فیصلہ بھی شاعر کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح نظم کا نام بلاشبہ علامت ہے کسی چیز کی ماہیت نہیں شعریات کو صنف میں علامتی سطح پر وابستہ کیا جاتا ہے۔ اُردو نظم میں ڈیڑھ سو سال میں ہیئت میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ تو شاعر اور نظم کے اندرون میں پیش رفت اور اظہار کے تنوع کا نتیجہ ہے۔ اسی اسلوب میں بحروں اور ارکان کی نئی تقسیم اور ترتیب سے کام لیا گیا۔ اس سلیقہ اظہار کے لیے انگریزی نظموں اور قدیم اصناف سخن سے بھی استفادہ کیا گیا۔

اگر ہم دور حاضر کے نظم نگاروں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک اہم نام افتخار بخاری بھی ہے۔ افتخار بخاری نے بڑا عرصہ پہلے ہی اپنی پہچان بنا لی تھی۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر غافر شہزاد نے روزنامہ انصاف میں "افتخار بخاری کی حیرتوں کے اظہاریے" کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے کہ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> "۱۹۸۰ء کی دہائی میں اپنی الگ پہچان بنانے والے نظم کے شعراء میں جاوید انور اور ڈاکٹر وحید احمد کے بعد افتخار بخاری تیسرا اہم شاعر ہے۔"(۳)

"درد کہاں جاتے ہیں مائے" کے دیباچہ میں علی محمد فرشی لکھتے ہیں کہ:

> "گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی میں راولپنڈی میں جن چار یار شعرا نے معاصر نظم کو نیا رنگ رس دیا ان میں نصیر احمد ناصر، انوار فطرت، افتخار بخاری اور راقم الحروف لنگوٹیے شاعر تھے۔ ہم تواتر سے محفلیں جماتے، مباحث قائم کرتے، کتابیں تلاش کرتے اور اپنے مطالعے کو آپس میں شیئر کرتے۔"(۴)

افتخار بخاری عصرِ حاضر میں نظم کی دنیا کا اہم نام ہے وہ پہلے غزل بھی کہا کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے غزل کہنا چھوڑ دیا اور نظم کہنا شروع کر دی۔ اس کے بارے میں جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ:

> "آج کل فیس بک سوشل میڈیا کا دور ہے ہر دوسرا انسان غزل کہہ رہا ہے اگر اپنی انفرادیت قائم کروانا ہے تو ضروری ہے کہ غزل سے ہٹ کر بات کی جائے میں نے نظم کو اس لیے ترجیح دی کہ اس میں کسی ایک مضمون پر شاعر کھل کر اپنے نقطہ نظر کو بیان کر سکتا ہے۔ غزل کی نسبت نظم کہنا مشکل ہے۔"(۵)

اکثر دیکھا جاتا ہے خاص طور پر دورِ حاضر میں فیس بک پر کہ غزل گو حضرات شخصیت پرست ہوتے ہیں کیونکہ وہ

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

اپنے محبوب کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اس لیے وہ اپنے محبوب کر بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ جبکہ نظم میں ایسا دیکھنے میں تو آتا ہے لیکن بہت کم نظم کے فکری پہلوؤں غزل کے فکری پہلوؤں سے ذراہٹ کر ہوتے ہیں۔

نئ نظم میں پرانے نظریے، پرانی لفظیات پرانی صورتحال کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پرانے بیانیوں کو توڑ کر نئ صورت حال کو سمجھنے کے لیے انہیں نئے معانی پہنائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نئ نظم لکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا انفراد قائم کریں، اپنا اسلوب تشکیل دیں، اور یہ کام افتخار بخاری سمیت ان کے عہد کے سبھی نظم گو شعراء نے کیا ہے۔ غزل گو شعراء کو اپنے قاری اس لیے مل جاتے ہیں کسی نہ کسی شعر میں پیش کیے جانے والے خیالات کے قریب قاری اپنی حسیات و تجربات کو محسوس کرتا ہے اور غزل گو شعراء کو جزوی طور پر قبولیت مل جاتی ہے، اس کے برعکس ایک نظم کے شاعر کو کلی طور پر قاری کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ نئ نظم کے قارئین کا حلقہ وسیع نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے مگر نئ نظم لکھنے والوں کو مشاعروں کی داد کی طلب نہیں ہوتی۔ ان کی اپنے قاری سے زیادہ اپنے اندر کے تخلیقی اظہار کے ساتھ کمٹمنٹ ہوتی ہے ہر ایک کو اپنی الگ پہچان بنانی پڑتی ہے جتنے بھی بڑے بڑے نامور شاعر ہیں سب کا انداز بیاں اپنا اپنا ہے کوئی بھی شعر پڑھا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے۔

درد کہاں جاتے ہیں کے دیباچہ میں افتخار بخاری کے اسلوب کے بارے میں الفاظ کچھ یوں درج ہیں:

> "افتخار بخاری کی نظم اسلوب کے ذریعے اپنی پہچان بناتی ہے، خیال رہے کہ اگر تخلیق کار اسلوب حیات سے تہی دامن ہو تو اس کا اسلوب تحقیقات تشکیل پا ہی نہیں سکتا۔ یہ کتاب کھولتے ہی پہلی ہی نظم ہمیں اپنے اسلوب کے کلاوے میں بھر لیتی ہے۔"(۶)

صرف یہی نہیں کہ ان کا اسلوب بہترین ہے بلکہ یہ بھی بات ہے کہ ان کا اسلوب منفرد اور پیچیدہ بھی ہے جس پر چلنا اتنا آسان نہیں۔ افتخار بخاری کی نظموں کو علی محمد فرشی نے حلزون سے نسبت دی ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "افتخار بخاری کی نظم سیدھی لکیر پر چلنے سے گریز کرتی ہے، خواہ یہ لکیر عمودی ہو یا افقی وہ ہر دو صورتوں میں حلزون پیٹرن بناتی چلی جاتی ہے۔ حلزون چلتے وقت اپنے منہ سے لیس دار مادہ خارج کرتا ہے اور اسے ٹریک کی شکل دیتے ہوئے اس پر سفر کرتا ہے جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا ہے اس کا بنایا ہوا ٹریک خشک ہو کر کسی دوسرے کے لیے ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ اصل تخلیق کار بھی اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ جس پر کوئی دوسرا چلنے کی کوشش کرے بھی تو مضحکہ خیزیاں ہی تحریر کر سکتا ہے۔"(۷)

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

افتخار بخاری کی شاعری میں مندرجہ ذیل موضوعات قابل ذکر ہیں۔ ان میں فلسفہ توحید، عشق مجازی، سراپا نگاری، حقیقت نگاری، ثابت قدمی، سماجی شعور، موت کا تصور، وقت کا تصور، نصیحت آموز شاعری اور اس کے شخصیات کو خراج تحسین بھی پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

سب سے بلند نام و مقام ذات باری تعالیٰ ہے۔ ابتداء بھی اس مالک کے نام وصفات سے کرنی چاہیے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ افتخار بخاری نے اپنے خالق حقیقی کی کن صفات کو کس کس انداز میں بیان کیا ہے جس نظم میں خدا کی تعریف کی جائے اس نظم کو حمد کہتے ہیں عام لغات میں حمد کے یہی معانی ملتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں حمد وہ نظم ہوتی ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات اور عظمت و قدرت کا بیان ہوتا ہے اور اس کی ہمہ پہلو تعریف کی جاتی ہے۔ افتخار بخاری کے کلام میں حمدیہ اشعار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے وہی ذات خدا ہے جس نے ساری کائنات کے لیے جینے کا سامان کیا افتخار بخاری کہتے ہیں کہ:

"کون سخی ہے جس نے اک شب جینے کا سامان کیا
کس نے چاند کا سکہ ڈالا شام کی خالی جھولی میں"(۸)

افتخار بخاری اس نظریے کے قائل نظر آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کا نظر آنا تو ناممکن ہے لیکن اس کی ذات کے ہونے کی یہ تمام اشیاء یہ تمام مناظر گواہی دیتے ہیں کہ آخر کوئی نہ کوئی تو ہے جس نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کے نظام کو چلا رہا ہے جو خود تو نظر نہیں آتا لیکن خود ساری کائنات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے افتخار بخاری صفات خداوندی کو اپنے اشعار میں یوں لکھتے ہیں:

"جو نہیں ہے اس کا ہونا بھی مرے ہونے سے پہلے
جس کا منظر نہیں ہے میں اسی منظر میں ہوں"(۹)

ایک اور شعر اس میں انہوں نے کمال کر دیا کہ:

اللہ تعالیٰ تو خود ہر شے دیکھ رہا ہے
لیکن خود کسی کو نظر نہیں آتا
ہر سمت سے گھیرے ہوئے آنکھیں ہیں اس کی
اپنا کبھی دیدار جو کرنے نہیں دیتا۔(۱۰)

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

اگر چہ افتخار بخاری نے کو مکمل نظم "حمد" تخلیق نہیں کی لیکن ان کے کلام میں کئی جگہ حمدیہ اشعار ملتے ہیں جن اشعار میں انہوں نے صفات خدا کو بیان کیا ہے۔

افتخار بخاری کے کلام میں اکثر و بیشتر اشعار مدح حسن کے بھی ملتے ہیں۔ جسے ہم میر کے چھ دیوانوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں غم سے زیادہ مدح حسن پر اشعار موجود ہے۔ افتخار بخاری نے ایک اور رنگ میں مدح حسن بیان کی ہے انہوں نے غریب اعوام کے حسن کو بیان کیا ہے کہ غریب لوگوں کے پاس سہولیات نہیں ہوتی اسی لیے ان کا حسن واضح نہیں ہوتا۔ جبکہ امیر لوگوں میں حسن کم بھی ہو تو ان کے پاس لباس وغیرہ اتنا دلکش ہوتا ہے کہ وہ خوبصورت ہی نظر آتے ہیں اسی حوالے سے افتخار بخاری کی نظم "بے عکس" بہترین مثال ہے۔

بے عکس
تم نا آشنا ہو
اپنے جمال سے
تم سوچتی ہو
تمہارا جسم
تمہارے خدوخال
بے کشش ہیں
اگر تم چہل قدمی کر سکتی
غروب آفتاب کے وقت
گلابی لباس پہنے ہوئے
اپنے آپ میں مگن
کسی باغ میں حوض کے قریب
یا پورے چاند کی رات
میرے دل جیسی

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد۰۱ شمارہ۰۲، ۲۰۲۳

کسی اداس جھیل کے کنارے
تم جان پاتیں
تم کتنی حسین ہو
مگر غریبوں کے محلے کی
تنگ گلیاں
غروب آفتاب سے
یا پورے چاند سے ناواقف ہیں
دروازے کے باہر
گڑھے میں جمع گدلا پانی
کوئی عکس نہیں لوٹاتا(۱۱)

یہ تنقید اور نفسیات کی اصلاح ہے۔ رجائیت کو اصل میں امید کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ رجائیت ہے کیا۔ پروفیسر انور جمال رجائیت کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

"یہ تنقید اور نفسیات کی اصلاح ہے۔" رجا" عربی زبان میں امید کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح کے طور پر آرزومندی، زندگی سے محبت اور ہر امید لہجہ اختیار کرنا رجائیت ہے۔ شاعری میں خاص طور پر ایسے موضوعات اختیار کرنا جن سے عزم، ولولہ، حوصلہ اور امید کے جذبات پیدا ہوں رجائیت ہے"۔(۱۲)

افتخار بخاری نے اپنے کلام میں کچھ ایسی نظمیں شامل کی ہیں جن کو کسی بھی معاشرے کے کلچر کے تناظر میں پرکھا جا سکتا ہے۔ ان نظموں میں ان کے فن کے میزان کو واضح دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی حوالے سے علی محمد فرشی لکھتے ہیں:

"کچھ نظموں میں عالمی کلچر کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن نہ تو وہ کہیں مرعوب دکھائی دیتا ہے نہ منقسم۔ واشنگٹن ڈی سی کے ایک قحبہ خانے میں، بوڑھی عورت اور کیتھرین، ویک اینڈ جیسی نظمیں کسی بھی کلچر کے تناظر میں رکھ کر پرکھیں تو انسانیت کی نمائندہ بن کر فن کے میزان پر پورا اترتی ہیں۔"(۱۳)

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

ان نظموں میں سے اگر ہم "واشنگٹن ڈی سی کے ایک قحبہ خانے میں" پر بات کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں بلکہ ساری دنیا میں ایسی محفلیں ہوتی ہیں اگرچہ افتخار بخاری واشنگٹن کے ایک واقعہ کی آپ بیتی بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ کلچر ملکی نہیں بلکہ عالمی سطح پر پایا جاتا ہے اسی نظم میں انہوں نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنے فن کا اظہار کیا ہے۔ یہ نظم حقیقت نگاری کے زمرے میں بھی آتی ہے۔ کیونکہ ہر معاشرے میں ایسے مناظر، مواقع دیکھنے میں آتے ہیں افتخار بخاری اپنے فن کا اظہار کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ:

واشنگٹن ڈی سی کے ایک قحبہ خانے میں
رات تھی
اور وہ رات اداس بہت تھی
میری بے خوابی سے لے کر
شہر خواب یہ ہنسنے والی مہتابی تک
اینٹوں کی ایک لال سڑک پر
کالے، گورے انسانوں کی بھیڑ میں
چلتے تھے
میں اِک دروازے کے پاس رُکا
اک ٹکٹ خریدا
رنگ برنگی روشنیوں میں لکڑی کی ایک بھاری میز تھی
جس کے گرد تھے
جلتے سگریٹ
بجھتی آنکھیں
ترسی انگلیاں
کانپتے ڈالر
اِک کونے میں بیٹھ کے میں نے

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

بھی دیکھیں
وہ چھپے دُکھوں کی عمر کہانیاں
پل دو پل کی ننگی خوشیاں
ناچ رہی تھیں
باہر رات اداس تھی
میری بے خوابی سے لے کر
شہر خواب پہ ہنسنے والی مہتابی۔(۱۴)

سماجی شعور سے مراد ہے سماج کے رسوم و رواج، رہن سہن، عادات و اطوار، بول چال کا شعور ہونا۔ معاشرے اور افراد کے اندرون و بیرون سے واقفیت۔ کم از کم شاعر کو معلوم ہو کہ اس کے ارد گرد سماج میں کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں کا زندگی بسر کرنے کا معمول ہے۔ کیا معاشرے میں لوگ زندگی خوشحال بسر کر رہے ہیں یا زمانے کے دکھ اور مصائب ان کی زندگیوں کی خوشیوں میں حائل نظر آتے ہیں۔

شاعر پر بھی کلام وارد ہوتا ہے۔ شاعر کی نظر صرف موجودہ حالات پر ہی نہیں بلکہ اس کو آنے والے حالات و واقعات کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ ہر شاعر کا فرض ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے لوگوں کو آنے والے حالات سے آگاہ کرے۔ موجودہ حالات کے بارے میں بتائے اور حالات کی بہتری کے لیے اکسائے ہر اچھے شاعر کی خوبی ہے کہ وہ معاشرے پر گہری نظر رکھے۔ اس کو معلوم ہو کہ معاشرے میں کیا چل رہا ہے امیر غریب کس طرح زندگی کے مسائل سے دوچار ہیں۔ ہر قسم کے مسائل کو اپنے زیر قلم لائے اور اس سے عوام کو آگاہ کرے۔ صرف مسائل سے ہی معاشرے کو آگاہ نہیں کرنا یہ بھی بتانا کے ان مسائل کا حل کیا ہے ان مسائل کو کیسے حل کیا جا سکتا ہے۔

ہر شاعر ایک حساس فرد ہوتا ہے وہ اپنے معاشرے میں امیر و غریب کے فرق، ظلم و ستم یا زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اکثر شعراء حضرات معاشرے کے ظلم و ستم پر نوحہ گردی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ افتخار بخاری بھی اپنی نظم "کیا کبھی دیکھا ہے" میں زمانے کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ غریب عوام امیر لوگوں کے لیے کیا کیا کرتی ہے، فقط روٹی کے لیے اور امیر لوگ اگر سخاوت کرتے ہیں تو وہ بھی بوڑھے افراد کو قطاروں میں کئی کئی گھنٹے کھڑا کرنے کے بعد۔ افتخار بخاری معاشرے کے حالات کو بہترین الفاظ کے بہترین چناؤ سے کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔ افتخار بخاری کا ایک انداز استفہامیہ بھی ہے۔

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

کیا کبھی دیکھا ہے
کیا کبھی دیکھا ہے
مقدس دوپہروں میں
بوڑھی عورتوں کو
قطاروں میں
محافظوں کو تلاشی دے کر
مین گیٹ پار کرتے ہوئے
جہاں نوازے ہوئے تکبّر
سخاوت کرتے ہیں
تھوڑا سا آٹا،
تھوڑا سا گھی
سردی سے کپکپاتے بچے
سویر کے کاٹتے کپڑے میں
قیمتی گاڑیوں کے دھوتے ہوئے
صاف ستھرے بچوں کے رنگین
بھاری بستے،
ان میں رکھتے ہوئے
کیا ننھی نوکرانیاں دیکھی ہیں
چند ہزار میں خریدی ہوئیں
بدمعاش بڈھوں کو
ان کی چٹکیاں لیتے ہوئے

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

جب ان کے خیال میں
وہ دیکھے نہیں جا رہے ہوتے
کیا اجتماعی شادیاں دیکھی ہیں
جب وہ غلاموں کی افزائش نسل کا
گھناؤنا کھیل کھیلتے ہیں۔ کیا چلچلاتی دھوپ میں کھڑی
بیمار مزدور عورتیں دیکھی ہیں
ثروت مندوں کے دروازوں پر
کھلنے کے انتظار میں (۱۵)

شاعر کو معاشرے کا حساس فرد تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو کچھ معاشرے میں ہوتا ہے وہ اسے دیکھتا ہے لیکن اس کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتا تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ چاہے وہ شاعری ہو، فکشن ہو یا کوئی کالم وغیرہ۔ شاعر کو معاشرے کی آنکھ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی شاعری میں وہی کچھ لاتا ہے جو کچھ اس کے ارد گرد معاشرے میں ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں ہونے والے حالات و واقعات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے براہ راست شاگرد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نیا خیال لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا ہوتا ہے سب سے پہلے شعرا کے دلوں میں ڈالتا ہے مختصراً شاعر ایک حساس فرد ہوتا ہے۔ محسن بھوپالی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"چاہنے اور چاہے جانے کے عمل میں جب خواہش حسرتوں میں اور مرادیں نامرادی میں بدل جاتی ہیں تو شکستہ دل فنکار اپنی سوچوں کو شعری پیکر میں ڈھال لیتا ہے۔" (۱۶)

افتخار بخاری اکثر و بیشتر دنیا کے حالات پر نوحہ گری کرتے نظر آتے ہیں کہ کس طرح دنیا میں آئے دن ظلم و ستم جنگی کاروائیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ افتخار بخاری اپنی نظم "بلیک آؤٹ" میں بڑے خوبصورت انداز میں ایک دور جنگی منظر کی تصویر کشی کرتے ہیں حالانکہ روشنی کی ایک ضرورت شہروں کو ہے کم از کم اس بچے کو کتنی ضرورت ہو گی جس کے امتحان نزدیک ہیں اور اس کو اپنی امتحانات کی تیاری بھی کرنی ہے لیکن بتی موجود نہیں کیونکہ جنگی حالات ہیں۔

بلیک آؤٹ

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

وہ اک سہما ہوا
چھوٹا سا بچہ تھا
اور اسی کے امتحان
نزدیک تھے
اپنی کتابوں سے ابھی اس کو
بہت چیزیں
زبانی یاد کرتا تھیں
مگر اس رات اس کے شہر کی
سب بتیاں گل تھیں
اسے پڑھنا تھا
لیکن روشنی
بس دور توپوں کے
دہانوں سے نکلتی تھی۔(۱۷)

افتخار بخاری کی ایک اور نظم بڑی ہی خوبصورتی سے انہوں نے ایک بڑی داستان کو صرف اور صرف چند لائنوں میں بند کر دیا ہے وہ اپنی نظم میں ایک نظم فن کار مصّور کی کہانی کو بیان کرتا ہے جو بھوک سے مرتے ہوئے بچوں کو تصویریں بنانے میں اپنی مہارت دیکھتا ہے اور خود اپنے دوستوں سے مل کر بڑے بڑے اچھے اچھے ہوٹلوں میں حیوانوں کی طرح خوراک کھاتے ہیں۔ یہ بالکل حقیقت کی ایک تصویر ہے اکثر دنیا میں ایسے ہی ہوتا ہے رشوت پر لیکچر دینے والے خود سب سے زیادہ رشوت لیتے ہیں لوگوں کے حق پر بات کرنے والے خود کسی کا حق نہیں چھوڑتے اکثر مصور تصویر کشی کو ظلم و ستم، بھوک افلاس، غربت وغیرہ کے مناظر میں پیش کرتے ہیں اور لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ بیان کرتے ہیں۔ اس نظم میں بھی وہ عظیم فنکار بھوک سے مرتے بچوں پر اپنے فن کی مہارت دیکھتا ہے اور اسی کو ان کی بھوک کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود حیوانوں کی طرح کھاتے ہیں۔ اصل میں شاعر کا کام عوام میں سماجی شعور پیدا کرنا ہوتا ہے اگرچہ ان کا

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

سارے کا سارا کلام فرضی کرداروں پر مبنی ہوتا ہے لیکن ان کا اصل مقصد اپنے قارئین میں سماجی شعور پیدا کرنا ہوتا ہے تا کہ ایک خوشحال معاشرے کو پروموٹ کروایا جاسکے۔ اسی حوالے سے وہ "عظیم فنکار" کے نام سے ایک خوبصورت نظم تحریر کرتے ہیں۔

عظیم فنکار
اسے بھوک سے مرتے
مریل بچوں کا
بہت خیال رہتا ہے
طویل سفر کر کے
ان کی تصویریں بناتا ہے
مہنگے ترین ہوٹلوں میں
نمائش کا اہتمام کرتا ہے
جہاں وہ اور اس کے
فن کے قدر دان
حیوانوں کی طرح
خوراک نگلتے ہیں۔(۱۸)

صدیوں سے ہمارا معاشرہ جبر، بھوک کا شکار ہے، جاگیر داری اور سرمایہ داری سماج کی بنیادوں کو کھوکھلا کیے دیتے ہیں اخلاق و مروت کو کچل دیتا ہے۔ ناداری کو خوف خود غرضی پر مائل کرتا ہے اس طرح لوٹ کھوٹ کا چلن سماج میں سرایت کر جاتا ہے ہے مزدور کو معاوضہ اتنا کم ملتا ہے کہ یہ مشکل جسم و روح کا رشتہ قائم رکھ سکتا ہے حق داروں کو ان کا حق نہیں ملتا، ایک طرف زر و جواہر سے مزین محلات تو دوسری طرف تاریک جھونپڑیاں، استحصالی طبقات کو فکر قیام لاحق ہو جاتی ہے۔ کبھی قدامت پرستی اس جبر کی حمایت کے لیے میدان میں اترتی ہے تو کبھی مذہبی پیشوائیت مشیت کا ہتھیار لیے مظلوموں کے درپے ہو جاتی ہے اگر اب کائنات کی بات پر کان دھرا ہوتا تو وسائل کی کمی نہ تھی۔ اس لوٹ کھسوٹ کے بغیر بھی سب کے لیے سامان رزق مہیا ہوا۔ سبھی خدا کی نعمتوں سے متمتع ہوتے۔

خیرات کے ٹکڑے اس گھمبیر تا سے نکلنے کی سبیل نہیں۔ خدائے واحد نے انسانیت کی فلاح کا پروگرام دے دیا، وافر وسائل

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد ۰۱ شمارہ ۰۲، ۲۰۲۳

مہیا کر دیے اور اختیار انسان کو سونپ دیا۔ اگر دولت کا منصفانہ و مساویانہ نظام بر سر کار ہو تو انسانیت وہ صورت حال سے دوچار نہ ہوتی۔ خدا سے شکوہ کسی طرح بجا ہو گا؟ جب کہ نسخہ ہدایات کے مطابق استعمال ہی نہ ہوا، افاقہ کہاں سے ہو گا؟ اگر ہم اسلامی ریاست میں ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی غریب سے غریب انسان بھی بھوکا سو جائے۔ افتخار بخاری اپنے کلام میں جابجا غربت بھوک افلاس کا دکھ بیان کرتے ہیں ۔ کچرے کے ڈھیروں سے بوتلیں، ٹوٹے جوتے وغیرہ اکٹھا کر کے اپنا پیٹ پالتی ہے کہتے ہیں کہ یہ سامان دوبارہ نیا ہو کر بازار میں آجائے گا لیکن کس کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اس کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ افتخار بخاری غریبی کو کس انداز میں بیان کرتے ہیں:

ہم پیشہ
تپتی سڑکوں پر مجبور حرکت
عمروں کی اس بھیڑ میں
مجھ کو روز نظر آتی ہے
کچرے کے ڈھیروں سے
اپنے نصیب کے ٹکڑے چننے والی
یہ محنت کشی لڑکی
ٹین کے ڈبے،
خالی بوتلیں،
ٹوٹی چپلیں
کچھ دن بعد یہ کوڑا کرکٹ
اجلے رنگ پہن کر
بازاروں کے شوکیسوں میں
سج جائے گا۔
تب کچرا چننے والے
ان دو میلے ہاتھوں کی مشقت کسی کو یاد رہے گی۔(۱۹)

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد۰۱ شمارہ۰۲، ۲۰۲۳

اس نظم میں افتخار بخاری نے غریبی کے منظر کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا ہے اگر ہم افلاس کے معنی دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لغوی معنی کیا ہیں۔ افلاس کے معانی کی تفصیلات کچھ یوں ہے:

حوالہ جات

۱. راجپوت توفیق سردار: "مرزا غالب سے وصی شاہ تک" جاسم پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص۸
۲. رفیع الدین ہاشمی: "اصناف ادب" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۱۰۱۔۱۰۲
۳. ڈاکٹر عامر شہزاد: (مضمون) "افتخار بخاری کی حیرتوں کے اظہاریے "مشمولہ، روزنامہ انصاف، لاہور، ۱۰ اپریل، ۲۰۱۸ء
۴. افتخار بخاری: "درد کہاں جاتے ہیں مائے" مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء، ص۱۳
۵. افتخار بخاری از راقم، موبائل فون پر انٹرویو، ۱۰ مئی ۲۰۱۹ء، ۰۰:۴PM
۶. فتخار بخاری: "درد کہاں جاتے ہیں مائے" ص۱۰
۷. ایضاً
۸. افتخار بخاری: "زمین پر ایک دن" دستاویزی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص۱۶
۹. ایضاً، ص۱۸
۱۰. ایضاً
۱۱. ایضاً
۱۲. پروفیسر انور جمال: "ادبی اصطلاحات" ص۸۷
۱۳. افتخار بخاری: "درد کہاں جاتے ہیں مائے" ص۹۶
۱۴. ایضاً، ص۱۴۲
۱۵. ایضاً، ص۱۷

تحریر
مجلہ زبان وادب
جلد۰۱ شمارہ۰۲، ۲۰۲۳

۱۶. ایضاً، ص۱۵۵
۱۷. ایضاً، ص۱۴۶
۱۸. ایضاً، ص۶۷
۱۹. ایضاً، ص۱۲۰